رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳



توجہ شرط ہے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس جنس کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گرتے بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنایئے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھایئے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر کیجیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے پرچوں میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ مانگنے والوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بنیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گڑگپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے منیجر کسی تحریر کا ذمہ دار نہیں ہے۔

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مصلحت و پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں۔

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہونا چاہیے۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹ پر لکھا رہا کرتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۴۴ نمبر ۳۴

مضامین غیر

بابت ۱۰ ۔۔۔ ۱۹۲۱ء

پُر معنی کلام

مسٹر بیگ ایک شاعر صاحب کی غزل کا مطلب ایک بزرگوار نے ایک جلسہ میں بیان کیا تھا مجھے وہ غزل بھی پسند آئی اور تشریح مطالب بھی لہذا پیش کش خدمت ہے۔

ہم مرے ہیں اور وہاں کچھ اثر نہیں
قاتل ہوں میں چھری کو خود بھی خبر نہیں

مطلب۔ حالت جانکنی میں عاشق کہتا ہے کہ ہم تو مرے ہیں اور وہاں (یعنی معشوق کو) کیا اثر نہیں۔ مصرعہ ثانی تمثیل ہے جس طرح چھری قاتل ہوتی ہے مگر اسکو خود ادراک نہیں ہوتا کہ میں ذبیح کی قاتل ہوں جیسے وہی حال معشوق ہے۔

محاسن۔ اس شعر میں ہم سے مراد عاشق ہے جس نے اپنی ذات کو بھیڑ فرض کیا ہے اور چھری سے مراد معشوق ہے۔ یعنی جس طرح بھیڑ کو چھری ذبح کر دیتی ہے اور اسکو اس ظلم کا ادراک نہیں ہوتا اسی طرح معشوق کو بھی اپنی جفا کا ادراک نہیں۔

جدت چھری کو ۲ لہ قتل ہم سمجھتے تھے شاعر نے مبالغتاً ذی روح عمل کی طرح یا مجسم قاتل کی طرح قاتل فرمایا ہے۔ اور یہی جدت ہے شعر سب سرو باندھتے ہیں۔ تو تو اسکو ناوک باندھ بوسے کی گرمی میں جو گرد اسکے یاد باندھ لطف پیدا کیا ہے کہ چھری تو ذبیحہ کے گلے پر جیسی ہوتی ہے جب ذبح کرتی ہے مگر شاعر ایسی بھیڑ ہے کہ اسکی چھری یعنی معشوق اس سے بہت دور ہے گرچہ زمدی محبوب کا لفظ (وہاں) شعر میں ہے۔ اور گلے بالخصوص معشوق کی بے گناہی۔ کرم سنی کا بھی پایا ہے۔ قرت نظم کی داد دیجئے کہ وہ معشوق جو انسان تھا اور ذی روح مقول میں رہی تھا اسکو جمادات کے تحت میں مندرج کر دیا اور سلب قرت و ادراک سے کر دیا۔

افسوس ہے کہ ہم کوئی ہمدردی بھی شاعر سے نہیں کر سکتے اسلئے کہ ان ہی کے ارشاد کے بموجب ان کا معشوق انسان ہرگز نہیں بلکہ چھری ہے چھری سے دل ہی کیوں لگایا چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر ضرر خربوزہ ہی کا ہے۔

کوئی زندگی ہے کہ مرتے ہوئے ہیں
گزرا ہے سب شباب پر دو پہر نہیں

شاعر اپنی زندگی پر ملامت عالم پیری میں کرتا ہے کہ سارا عہد شباب مرتے ہوئے ختم ہوا پھر دو پہر کیا بلکہ مرتے ہوئے زندگی۔ شباب۔ الفاظ میں تناسب تو ہے مگر حاصل شعر تغزل سے عاری ہے۔ اسلئے کہ عشاق مرنا۔ محبت کرنا فخر سمجھتے ہیں اور ترک محبت نہیں کرتے اور اس شعر میں نفرت ظاہر کی جا رہی ہے اور اس زمانۂ دور شباب عشق پر افسوس۔ اصل یہ ہے کہ شاعر جوانی کی غلط کاریوں پر بڑھاپے میں نادم ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ایک اور فطرتی حالت شعر سے ظاہر ہو رہی ہے کہ عہد شباب ضعیفی میں پچھتا رہے ہیں۔

اس دل کی وجہ سے ہم تڑپا کئے جسے
وہ ایک بے بسی جو ادھر ہے ادھر نہیں

مطلب۔ جو دل تمہارا ہو چکا اور ہمارا اس پر اب کچھ قابو نہیں ہے اسی دل کی وجہ سے یہ بے بسی ہماری ہے جو ادھر یعنی ہم کو ہے اور ادھر یعنی تم کو نہیں۔ ظاہر ہے قوت احساس قلب ہی سے متعلق ہے اب قلب غریب شاعر کے پاس نہیں وہ تو دلربا کے قبضہ میں ہے اب ان کو احساس ہے اور بے بسی کی حالت میں یہ اسیر بالکل ناکارہ ہو گئے اور بے بس ہیں وصال کی ناقابلیت کا عذر اس سے بہتر ممکن ہی نہیں۔ ہائے کیسی بے بسی ہے۔

جدت۔ شعرا پہلے جدت تخیل میں پیدا کرتے تھے اب زمانہ سہولت پسند ہے مضمون آفرینی پر دماغ سوزی بھی ہے۔ مگر الفاظ گڑھنا پیدا اور خود نہیں بھی فی زمانہ خاقانیہ یونیورسٹی کو خدا رکھے اب تو الفاظ کو ڈھونڈنا بھی نہیں پڑتا گڑھ ہی کر ہو جاتی نفیس مستجاب ہو جاتی ہیں مثلاً برت کا نام ہر شکا ناسی طرح سے اپنا چکنا مصدر مرکب بنایا ہے۔ اردو زبان کو ایسے ہی شعرا کو فخر حاصل ہے۔ مطلب صاف ظاہر ہے معشوق ان کے دل کو اپنا چکا یعنی اسکی محبت میں اپنا دل غیر ا چکے البتہ دوسرے مصرعہ میں ایک بھرتی کا لفظ ہے غیر اسکے بھی مطلب صاف تھا یہ بھی طرز انگریزی کی تقلید ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ انگریزی کی نقل کرنا اور انگریزی سے نابلد ہونا کیسی حماقت ہے۔ جیسے کوئی انگریزی نا خواندہ ناول یا ڈرامہ لکھے اور اپنے خاص قرنسائی پر فخر کرے مگر اس یہ مرض عام ہو گیا۔

اپنی لپک بڑھا دے اب اے شعلۂ جمال
پروانہ بن گیا ہوں اور اڑنے کو پر نہیں

مطلب۔ معشوق کو شعلۂ رخ کہتے تھے شاعر نے جمال معشوق کو شعلہ خطاب دے کر مخاطب کیا ہے اور درخواست کی ہے کہ تو اپنی لپک اور زیادہ کر دے اس سے ظاہر ہے کہ شعلۂ جمال ابھی ناقص ہے انتہائی لپک کو ابھی نہیں پہنچا یہ شعلۂ جمال کا بھی کوئی ریگولیٹر ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے قبضہ میں شعلۂ جمال گھٹا دے یا بڑھا دے۔ اور خواہش وحشی شعلۂ جمال بڑھانے کی صورت اس غرض سے ہے کہ عاشق پروانہ بنا ہے جس طرح بچے کھیلنے کو پتنگ کے بنائے ہیں مگر بے پر کا پروانہ بنا ہے۔ یا اس کے پر شعلۂ جمال سے جل گئے لیکن شعر سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ پروانہ بننے کے بعد شعلۂ جمال سے لپک بڑھانے کی خواہش کی گئی ہے۔

اس شعر میں دو لطف لائق داد ہیں۔
(۱) پروانہ کا فلسفہ (۲) بن چکنا۔

اب پروانہ کا فلسفہ عجائب المخلوقات میں جو ایک عربی کتاب ہے یہ لکھا ہے الفراش دویبۃ ۔۔۔ جناحیہ پروانہ ایک ہے جسکے پر کی ۔۔۔ گویا شاعر صاحب بے پر کے پروانے بنتے ہیں اور یہی گویا بلا تشبیہ ایک ۔۔۔ پر ہوتے تو ۔۔۔

پلک کے اُمیدوار ہیں۔ کہ یہ اس پلک سے جل جائیں ورنہ جدائی کی چپقلش یا فراق کا مینڈک نکل جائے گا۔

۲۔ پروانہ بن گیا ہوں ایک ذہین بیت لکھ گئے وہاں پتنگ آ گئی۔ اتفاقاً دیوار پر سے چھوٹے وہ تانا کا اور ایک کنکری انکو ماری یہ جھک پڑے اور چور کو دیکھا مارے ڈر کے تیغ مرمن فوراً رخ ہو گیا اور گھبرا گئے چور نے دوسری کنکری ماری اب یہ خود لوٹا بن گئے ایک ہاتھ اپنا سیدھا کر کے آگے بڑھا دیا دیکھا لوٹے کی ٹونٹی ہے؟ وہ اس حرکت سے متعجب ہوا اور ایک اور ڈھیلا مارا شیخ جی صاحب بولے دھن، اگر یہ کنکری اپنے نہیں پڑی بلکہ تیغ کے دوشے پر پڑی ہے وہ متحیر ہوا اور دیوار سے نیچے اُترا اور ایک لات ان کو رسید کی یہ تو لوٹا بنے ہوئے تھے بولے "دھب دھب" جیسے لوٹا ٹوٹتا ہے اور پانی گرنے کی آواز ہوتی ہے، جس طرح میاں ذہین جی لوٹا بنے تھے اسی طرح شاعر صاحب پروانہ بن گئے ہیں خدا راس لائے۔

ایک اور امر لطیف اس شعر میں قابل ملاحظہ ہے وہ یہ کہ شاعر صاحب بے پر کے پروانہ ہیں غالباً فرش ہی پر رینگ رہے ہونگے اب اگر شعلہ جوالہ اپنی لپک ان کے کہنے سے بڑھائے بھی تو کرکے نارزق کی طرف ہے یہ لپک بھی بڑھ کر آسمان ہی کی طرف جائے گی اور یہ بیچارے پڑے اُٹھ بے پر فرش زمین پر بیٹھے ہیں یہ اُس لپک سے کس طرح جل سکیں گے۔

بے سود زندگی کب ہے لعنت ایک سانس
وہ آہ نامراد کہ جس میں اثر نہیں

یہ شعر فلسفیانہ ہے آہ کا فلسفہ نظم ہوا آہ کی منطق کسی نے غالباً آپ سے پوچھی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ زندگی بے سود کی بے لطف سانس جس میں بھی ہو اسکا نام آہ ہے۔ اور الاشیاء تعرف باضداد آہ مراد کی بھی تعریف اس سے معلوم ہو گئی کہ آہ بامراد۔ باسود زندگی کی وہ پرلطف سانس ہے کہ جس میں اثر ہو۔

دستیاب نہیں ہوتا۔

سچ ہے انشائے راز کا خوف ہے ورنہ ٹیلیگرام یا ٹیلیفون سے کام لیتے۔ جب نئی نئی تلمیحیں اپنے اشعار میں داخل کرتے ہیں مثل اپنا جگنا وغیرہ کے تو شائستہ و مہذب زمانہ کی اشیاء کو بھی لے لیں آپ سے پہلے ایک شاعر فرما چکے ہیں وہ لگا چکے بجلی کا خبر جاناں کی آ گئی ہے [illegible] دیکھیے یا اسی شاعر کے اشعار الفضل للمتقدم۔

عاشق کی نامراد جوانی ہے......
جلتا چراغ جسکو اُمید سحر نہیں

جس طرح شعر ماسبق میں آہ کا فلسفہ مندرج ہے اسی طرح اس مقطع میں نامراد جوانی عاشق کا۔

مطلب = عاشق کی نامراد جوانی یا عاشق نامراد کی جوانی کیا شے ہے؟ ایک جلتا ہوا چراغ ہے اور اس چراغ کو امید سحر نہیں اور بامراد جوانی عاشق مثل اس چراغ کے ہے جسکو امید سحر ہے ایک نکتۂ لطیف اس شعر سے معلوم ہوا کہ چراغ بھی صاحب ادراک ہوتا ہے امید نا امید اسکو بھی ہوتی ہے اور چراغ اس امر کا اُمیدوار رہتا ہے کہ سحر تک جلا کرے اور قبل سحر گل نہو جائے۔

اور اگر چراغ سے مطلب قوت ادراک تسلیم کیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ لوگوں کی نظر سے عاشق نامراد کی جوانی مثل اس چراغ روشن کے ہے جسکے جلنے کی سحر تک امید نہیں اب تعلق خود بڑھ جائے گا یعنی اپنی نامراد جوانی کا احساس خود عاشق کو نہیں بلکہ اوروں کو ہے یہ تو مثل اس



پوڈل:- ہم اور تم!
بُل:- ہاں مگر جیسا تم کہا ہم۔

اے شوق پڑھ دے دل کی اُمیدوں پہ فاتحہ
لاکھوں پیام اور کوئی پیغام بر نہیں

شوقِ پیغام رسانی سے ارشاد ہے کہ دل کی اُمیدوں پر سورۂ فاتحہ پڑھ دے علی العموم مُردے کی قبر پر سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں آپ پیش از مرگ واویلا کرتے ہیں زندہ کو مردہ تجویز فرما کے اوراد رسم کا ارشاد ہے۔ اور حسرت ظاہر کرتے ہیں کہ لاکھوں پیغام معشوق پاس بھیجنے کو ہیں اور کوئی پیغام بر نہیں

چراغ روشن کرے ہے جسکو دیکھنے والے کر کچے کر سوکنگ نہیں باقی ہے گا اسی طرح عاشق نامراد کی جوانی کو لوگوں نے دیکھ کر طے کر دیا کہ یہ جوانا مرگ ہو گا پڑھا ہونا اسکو نصیب نہ ہو گا مگر خود عاشق صاحب کو اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔

میں نے خواجہ صاحب سے بہت خاطر کا نام اور تخلص پوچھا انھوں نے کہا کہ کسی کا نام لینا غیبت ہے اور غیبت معصیت ہے فرضی نام بتایا نہ تخلص۔

سئیں سوطرح کی اُس ست نگہ کی باتیں
پر جو دیکھا تو سب ہی نکلیں وہ بنگی باتیں

جناب ظفر الملک کی گزارش پر اڈیٹر اودھ پنچ کی گذارش ۱۰ ستمبر سے ایک لخت خاکسار اڈیٹر پر سیلوی چپ کا حملہ ہوا اور اس نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔ اور اب کچھ کو کچہ سے نجات ملی۔ کنکر سٹرانک والے، پنچ والے ہے بے آب رو اور بے جان ڈاکٹر نے ... پانی بند کر دیا۔

سمن بغرض انفصال مقدمہ

[illegible]

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

نسبت سے بڑا عالی ہے۔ اتنے زمانے میں صد ہا دفعہ ہوئے اور گزر گئے۔ سار دا بل جو کہ درحقیقت شریعت اسلام کے اندرونی حقوق میں مداخلت ہے اور جسے بکمال بے حیائی مسلم ارکان کونسل نے پاس ہو جانا منظور ہو گیا۔ مگر جناب اودھ پنچ علیہ الرحمہ کہاں تھے جو ہر ہفتہ بیٹھے کاٹتے تھے اور علیحدہ دل کے ساتھ بل کی تائید کرنے والوں کو چت کرتے۔

افغانستان کے بارے میں بروایت ... از یکے شنیدم۔ وراز کسے معلوم شد۔ انقلابی خبروں کا تانتا بندھا۔ لیکن مولانا اودھ پنچ بیدار نہ تھے جو ان لطائف و ظرائف کی تفصیل پیش کرتے اور حقیقت کھلتی۔

گاندھی جی نے سوچ نازک دیکھ کے قومی مجلس کی صدارت سے تنحو سرو ہا اور شیدائے آزادی کامل پنڈت جواہر لال نہرو کے گلے میں "ڈومینین اسٹیٹس" کا قلادہ ڈال دیا۔ یہ جبری تحریک ہنسنے ہنسانے کے قابل تھی لیکن ہنستا کون مسٹر پنچ جاتے ہوئے بخار کا چرخا کاتتے اور یہ بیزار خیال دماغ میں

اطلاع عنام داشناں نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ

(دفعہ ۹ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر مقام ہردوئی

[illegible]

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری ... بجے سے ... بجے تک

پر ثنیاں بنا رہے تھے۔

سنا گیا کہ حضرت ارون ہندوستان کا ہی بہانے کوٹسن تمنیے لے گئے روایت سے چل کر سے جو اور ان کا کورنر کے قاضی کی طرح جو سیلاد کھنے گئے سوغات گر نشہ میں باندھی راہ میں نہ ہی پڑتی تھی پاجامہ اُتار کے کندھے پر ڈالا پہننا بھول گئے خالی کرتا پہنے گھر آئے۔ بچے پاۓ روڑے کسی نے کہا چادری ... کسی نے کہا آرسی وکلا دی کسی نے کرتا اٹھا دیا یہ جانی اپنی اپنی سوغات کھول لیجئے سمندر پار سے عنقریب وارد ہند ہوں گے اور سوغاتیں تقسیم فرمائیں گے۔ مگر افسوس لارڈ پنچ کی طبیعت کہاں درست ہے جو سوغات کی تفصیل سنا کے مشتاقوں کا دل بہلائیں۔ علی ہذا القیاس ایک اہم واقعہ خود حضرت پنچ پر گزر گیا یعنی جناب ظفر الملک بہادر نے ایک نہ دو چند خوبصورت دلفریب دل آویز دلچسپ معروضات علی رؤس الاشہاد بذریعہ تحریر پیش فرمائے۔ ہائے کمزوری بیماری اور بڑھاپا توبہ ایکسیلنسی اور ایسے معروضات یہاں توجہ کی حالت ہی نہ تھی انگریزی دواؤں کے گودو سے کیسے لکھ کر بہتے اور اشتیاق ... کے پڑھنے کا سما لکھنے پڑھنے کی طاقت کسے ہے۔ باایں ہمہ کسالت بقلم

بعدالت جناب ڈسٹرکٹ جج بہادر گونڈا

درخواست دیوالیہ نمبر ... سنہ ۱۹۲۹ء

[illegible]

دستخط انگریزی ... ڈسٹرکٹ جج

مہر عدالت

اٹھاتے ہیں۔

دوسرا آشفتہ صاحب کا پیش کردہ معروضہ اوّل یہ ہے کہ ؎

ڈبڈبائیں آنکھیں آنسو تھم رہے
کاسۂ نرگس میں جیوں شبنم رہے

میر کے چھپے ہوئے دیوان میں موجود نہیں غزل اپنے دیوان سے نقل کر دیجیے کہ دیوان کی تکمیل ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہاں تو ہوگا۔ یہ ہمارا گمان تھا کہ مطلع مذکورہ ابیات سمیت چھپ گیا ہوگا۔ اُنکے معاصرین مثلاً خواجہ میر درد و میر تقی کی غزلیں اسی زمین میں موجود ہیں۔ میر کا بہت سا کلام ابھی تک نہیں چھپا۔ میرزا ابوطالب خاں لندنی ابن حاجی محمد بیگ خاں عباس آبادی اصفہانی ملازم نواب شجاع الدولہ بہادر نواب وزیر اودھ نے ایک نہایت ضخیم تذکرہ شعرائے اردو مرتب کیا تھا اُس میں بھی جو منتخب کلام میر مرحوم کا موجود ہے مطبوعہ دیوان اُس سے خالی ہے۔ مذکورالصدر مطلع زمیندار میں ضرور دیکھا لیکن جناب سید اکبر حسین صاحب ائل لکھنوی نے (جو ایک نوجوان خوش طبع شاعر اور برملا [illegible] ہیں) بتاتے ہیں کہ یہ مطلع سید ضیاءالدین حسین ضیا دہلوی مرحوم کا بتایا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیتے دارم کہ گرد گل ز سنبل سایہ بان دارد
بہار عارضش خطے بخون ارغوان دارد
چو افتادہ ست طرزی رو کہ ہر سلطان معنی را
درین درگاہ وہی منیر کہ سر بر آستان دارد

الحمد للہ مجلے دامسانہ کی انجمن اسلامی کا تیسرا آل انڈیا سالانہ وارثی مشاعرہ [illegible] بصدارت [illegible] مسائل طریقت حضرت سید [illegible] ۱۰ نومبر ۱۹۲۹ء یوم شنبہ بوقت ۸ بجے شب بمقام [illegible] سید مقبول حسین صاحب [illegible] منعقد ہوگا۔

پہلا دور طرح اردو:

ہیں جو در نظر آ! تمھارا آستاں سمجھے

(آستاں۔ دوستاں وغیرہ قافیہ سمجھے ردیف)

دوسرا دور طرح فارسی:

ہر سو جلوہ دلش بینم ہر جا آستاں دارم

(آستاں۔ داستاں۔ وغیرہ قافیہ دارم ردیف)

نوٹ

داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہوگا۔

المعلن

فقیر سید [illegible]

بیاض میں جو اُنھوں نے مرزا شجاعت علی بیگ مرحوم منیر ایرانی سے حاصل کی ہے دو شعر درج ہیں ؎

نام ہیں در دھیر کے غم سے چشم
لے کے اس کو کیا کوئی خرم رہے
[illegible] کا مزا ہے یہ جیسا
[illegible] ہم رہے

لیکن جناب اس مطلع یا اس غزل سے آپ کو مطلب ہی کیا رہا آپ تو "آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں" اس پورے جملے کی سند مانگتے ہیں۔

دوسرا معروضہ یہ ہے کہ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ "آنسوؤں سے" زائد ہے تو کیا اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو فقرہ آشفتہ صاحب کے قلم سے نکلا وہ غلط تھا۔ الی آخرہ۔

التماس ہے کہ میں نے "آنسوؤں سے" کو زائد نہیں تسلیم کیا۔ میں نے تو دخل مقدر کی ایک تصریح کی ہے۔ آپ نے میری کس عبارت سے یہ مطلب اخذ کیا۔ جو اصلاح کہ فاضل معترض نے اپنے خواب میں خواجہ میر درد سے آشفتہ صاحب کو دلائی ہے اُسمیں بھی آنسو موجود ہیں یعنی خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یوں کہو "آنسو آنکھوں میں ڈبڈبا آئے" اگر خواجہ صاحب کا خوابی کلام صحیح ہے تو یقیناً "آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں" بھی صحیح جملہ

ہے۔ دیکھیے "آنسو ڈبڈبانا" اور "آنکھیں ڈبڈبانا" دونوں اپنے محل پر درست ہیں اور بولے جاتے ہیں۔ ایک جگہ میں "فاعل" آنکھ ہے اور دوسرے میں "آنسو"۔ ڈبڈبانا دونوں سے متعلق ہے۔ یہ فرمانا کہ اُن کا اعتراض روابط کی ہیئت و ترکیب پر تھا اتہام ہے محض ہے جسکا ذکر معترض کے کلام میں نہیں۔ یہ گرچہ قیاسی و سماعی جواب اور خدا کے فضل سے کسی کا اتنا منہ نہیں کہ دلیل معقول سے رد کر سکے۔ محض میرا یہ کہہ دینا کہ بولا جاتا ہے محاورات کی زبان ہے بے قدر حجت ہوگی اس وجہ سے تسلیم کر لیتے ہیں کہ میری عادت جھوٹ بولنے کی نہیں ایک آپ پیدا ہوئے اور بہت مدت بعد پیدا ہوئے جو طرفداری کا الزام دھرا دینا فرماتے ہیں۔

بیش حوالہ اور سند دیے بغیر [illegible] ثابت کر سکتا ہوں کہ ٹھیک یہی محاورہ اسی طرح نظم ہو چکا ہے اور اُس وقت نظم ہو چکا جب آپ پیدا بھی نہیں ہوا تھا شاید آپ نے میر انیس مرحوم کا نام تو سنا ہوگا یہ ایک شاعر تھے مرثیہ کہتے تھے چند لوگوں کا خیال کہ ان سے بہتر شاعر ابھی تک پیدا نہیں ہوا مناظر ارضی و سماوی کی تصویر واردات قلب کی تمثیل نہایت آسان الفاظ میں کھینچ دینا اور فصاحت کے سحر سے عالم کو گرفتار کر لینا اُن کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ آپ کو انھیں اہل زبان تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں مگر سن لیجیے وہ کیا کہتے ہیں۔

حضرت علی اکبر جنکی صورت و سیرت آواز و چال ڈھال رسول اللہ کی ہو بہو تصویر تھی بہ رضائے قدر کے حکم سے اذان دینے لگے اور جہاں تمام اصحاب رسول کو رسول اللہ کی آواز یاد آگئی رسول کی یاد نے اُن کے دل کو رخنہ کر دیا اس محل پر ایک بیت فرماتے ہیں ؎

ہر ایک کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آگئی

ہم کسی سلامی مجلس [illegible] ہے جو آپ کے نزدیک اہل زبان ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں واقف نہیں اور واقف بھی ہوتے تو اپنی زبان کے متعلق مشورہ لینے نہ جاتے۔ آپ



نغمہ ہیچ (سجاد) : پیار سوہنیا نبھانا ہوگا .... بھر بھر کے جام شراب محبت ۔
پینا ہوگا پلانا ہوگا .... (دلکش مودھ) ؎



ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست — کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
دیکھیے پھولوں کی لاج رکھیے گل عارض کے رنگ سے عطر کا رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے۔ خوشبو درکار ہے تو یہ عطر حاضر ہے۔
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

ابھی جگہ ہی کیسے رہ سکتی ہے کہ آشفتہ صاحب نے محاورے میں تصرف کیا ہے بطور قول مشتہر جو کچھ کہنا تھا نسخہ کے جواب میں کہہ چکے۔ اگر آشفتہ صاحب کا قول ذرہ بھی کانوں میں کھٹکتا تو کبھی یہ نہ کہتے کہ یوں بھی کہتے ہیں۔

تیسرا معروضہ کچھ ایسی کتابوں سے متعلق ہے جن میں کسی بامحل دلچسپی اور سالطانی اعتبار ہیں مثلاً محل خانہ شاہی یہ کوئی فرضی کتاب ہوگی جس نے محلات کی زبان کے بارے میں جناب ظفر الملک کے جہل مرکب کو فی الجملہ علم سے بدل دیا ہوگا۔ ہم تو ایسی پادر ہوا کتابوں کو زبان بگاڑنے والی چیز خیال کرتے ہیں محل خانہ شاہی میں دیپک پیا کے مضامین آپ ڈھونڈھیے اور جو آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا آنے کا محاورہ انھیں نہ ملے تو آنکھیں پٹ پٹا کے بیٹھ رہیے۔ علی ہذا القیاس محلات لکھنؤ میں اور بیلی نغمات النسا ہیں ان کی ضرورت نہیں۔ ہمارے گھر کی زبان میں ابھی تک کوئی تغیر نہیں لہذا ہماری کتاب درست نہیں کہ آپ ایسے نادر ہیں جبکہ لکھنؤ میں کوئی چیز اپنی اصلی حالت پر نہیں۔ وہ ہماری عورتوں کی زبان ہے جو بیشک ناہموار نامنجھا دیہاتوں کے ملنے اور بیرونی اشخاص کی صحبت سے بدل گئی اور بدلتی رہتی ہے۔ یہ بھی خدا کی ایک عنایت خاص ہے کہ اب لکھنؤ کی خاک سے پیدا شدہ رنڈیوں کی تعداد لکھنؤ میں قلیل ہے چوک میں گزرنے والے راہگیروں کو گھروں سے اکثر اسی زبان کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے جو جناب ظفر الملک کے وطن مقدس میں بولی جاتی ہے۔

(۱) اری او نگیرجان (نظیر جان) لکھی کی بنچی (ٹنگی) کنگھیے دکھاں ہو رکھی ہے۔ تنی ذرری (ذرا سی) دے دے۔

(۲) کجیا کے بارے جیو نساسی ہے نیا گھو ویکھا ناہیں چھوڑت۔

(۳) کجیا دے تنی گرو ڈھار لیو۔ دیکھے [illegible] نگیری رنگیلی جات ہے۔ [illegible] ٹھنڈی نسبی جات ہے۔

اسی ضمن میں جناب ظفر الملک بہادر تحریر فرماتے ہیں کہ "لکھنؤ کے مشہور فسانہ نویس مرزا فدا علی صاحب خنجر ہی جب اعتراض نے اس فقرے کو غلط قرار دیا ہے اب فرمایئے کہ محلات کی زبان کے علاوہ آپ تسلیم کیجئے قابلیں یا خنجر صاحب جو آپ سے سیتاپوری تعلقات کے لحاظ سے آپ کے مقابلے میں لکھنوی سمجھے جانے کے زیادہ مستحق ہیں"

اس فقرے کے معانی ہماری سمجھ سے باہر ہیں اس استفسار کا جواب ہم کیا دیں۔ جناب مرزا محمد عسکری صاحب نے انھیں استفسار کے قابل سمجھا آپ انھیں لکھنوی سمجھے جانے کا مستحق سمجھتے ہیں ہم موصوف سے واقف نہیں نہ ہم نے اُن سے مقابلہ کیا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ انھیں کو علاوہ قبلۂ استاد سمجھیے اور جو رشتہ جوڑنا چاہتے ہوں اُنسے جوڑیے اس اضافت و استفسار سے آپ کے شرف ادبیت و زباندانی میں مضبوطی پیدا ہو جائے گی۔ رہ گئے سیتاپوری تعلقات تو یہ کوئی چیستاں ہے۔ سیتاپور سے ہمارے تعلقات نہ کبھی تھے نہ آج ہیں معلوم ہوا کہ آپ ہمارے تعلقات سے بہ نسبت ہمارے کچھ زیادہ آگاہ ہیں۔ اگر آپ نے کوئی تعلق اپنے دل میں ٹھہرا لیا ہو تو مطلع فرمایئے۔

معروضۂ چہارم "لفظ خود رفتہ کے متعلق ہے فرماتے ہیں کہ خود رفتہ کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ فرہنگ آصفیہ میں موجود ہے۔ اگر ایسا ہے تو کتاب کا حوالہ دیا جائے"

کتاب کا حوالہ اور کیونکر دیتے ہیں نام لکھ دیا ہے فرہنگ میں ڈھونڈھیے۔ ایک صاحب نظر نے کہا ہم نے بھی لکھ دیا کہ یوں سُنا ہے۔ لغات کی ہمیں ضرورت نہیں۔ سند جو یاد تھی لکھ دی۔ ایسے الفاظ میں فارسی کے اہل زبان نے اکثر "از" حذف کر دیا ہے مثلاً "از پا افتادگی" کی جگہ "پا افتادگی"۔ سعید قریشی ؎

مشکل بود کہ سے تو دیگر نشست ا
پیچیدہ دست زلف تو بر شکست ا
چوں سبزہ در رہ تو بجز پا افتادگی
اے سرو من بگو کہ چہ آید ز دست ما

"از خود رفتہ" اور "از خود رفتگی" کا وجود اہل فارس کے کلام میں نادر ہے۔ اہل ہند کے فارسی کلام میں اکثر ہے۔ اور انھوں ہی نے اس میں تصرف کیا ہے۔

کتاب کا نام لکھ دینے کے بعد جب آپ کتاب کا نام پوچھتے ہیں تو آپ کی بے خبری اُس افیونی سے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے جسکے سر پر بھڑ آن پہنچی اور افیونی صاحب نے کہا دیکھو بھائی تمہارے سر پر بھڑ ہے بھائی نے اپنی ٹوپی کے عوض دوسرے کی ٹوپی اُتار لی اُس نے فریاد کی کہ یہ تو میرا سر ہے افیونی صاحب نے فوراً سوال کیا کہ تو پھر میرا سر کہاں ہے؟ وہ بھی خود رفتگی کے ہی معنی ہیں۔

معروضۂ پنجم۔ بھرم سے متعلق ہے آپ پوچھتے ہیں کہ اعادہ کی کیا ضرورت تھی اگر آپ کے پاس سند نہیں تو ساکت رہنے میں کیا نقصان تھا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ سند تو استفسار کے جواب میں لکھی جا چکی ہے خدا احباب کی عقل کو درست کرے۔ اگر یہی حال ہے تو بار بار اعادہ کی ضرورت ہوگی میرا دعویٰ تھا کہ بھرم کے معنی اعتبار رعب اقتدار وغیرہ ہیں میر حسن فرماتے ہیں ؎

چمن میں اگر آو بہت پھول پھل جھپائے
جو یار آوے ابھی تو بھرم نکل جاوے

بھرم نکل جاوے کے معنی یہاں بجز اسکے کیا لیے جا سکتے ہیں کہ تمام رعب و جلال و غرور کا خاتمہ ہوجائے ایسے صدہا شعر ہیں۔

معروضۂ ششم کی حقیقت یہ ہے کہ جناب ظفر الملک نے مجھ پر آشفتہ صاحب کی طرفداری کا الزام لگایا گویا میں نے جناب مرزا محمد عسکری صاحب کے مقابلے میں آشفتہ صاحب کی طرفداری کی یہ دو بھی انساد ہے۔ استفسار کے جواب میں جو بے لوث تحریر حاصل کی گئی اُسکی اشاعت کا حق ضرور آشفتہ صاحب کو حاصل تھا اسلیے کہ وہ تحریر انکے مفید مطلب تھی اُن پر حملہ کیا گیا تھا وہ دفاع کی سعی کر رہے تھے یہ کوئی انساد نہیں طرفداری کا الزام لگانے والا بیشک انساد کے خلاف شرافت بھرم کا مرتکب ہے۔ اُس نے میری ذات پر بھی بدون استحقاق حملہ کیا اور میرے گروہ پر بھی۔ ظفر الملک صاحب اگر اپنے تئیں خیال

کرتے ہیں تو وہ اصول اخلاق کے عیوب ہیں اور آئندہ اُنکی تحریروں کا جواب دیتے ہی لوگ کہیں گے جو اس قسم کے اخلاق و عادات کو ٹھنڈے کلیجے برداشت کریں۔

اسی سلسلے میں معروضۂ ہفتم کا جواب بھی سن لیجیے کہ "سودا بابا الشعراء" کا قلم کبھی لفظ مضمون شعر یا ہجو صحۂ سے آگے نہیں بڑھا ہے، اُنھوں نے کبھی معاصرین میں لڑوانے کی فکر کی ہیں اُنکی تحریرات کو آپ اپنے افادات پر قیاس نہ فرمائیں اسلیے کہ فارق موجود ہے۔ آپ نے بارہا آشفتہ صاحب کی نسبت پسر نوح بدو بانٹ اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ لکھے اُن کی ادب شناسی اور شرافت کا اپنی زبان دانی سے مقابلہ کرکے دیکھیے۔

وھذا امر مثل الجھل لا یعالج الا بما عالجہ ابو بکر الخوارزمی رحمہ اللہ فی بعض رسائلہ۔

میں اس قسم کے الفاظ کی برداشت نہیں رکھتا اور جب تک مجبور نہ کیا جاؤں جواباً بھی یہ رویہ اختیار نہ کروں گا۔

معروضۂ ہشتم میں آپ اُن تمسکات کی تفصیل پوچھتے ہیں جنھیں میں غیر مستند مانتا ہوں اور بعض بزرگواروں کے نام لیتے ہیں۔ میرا اشارہ ان افراد کی طرف نہیں بلکہ اُن مضامین کی جانب ہے جن کے مطالعہ تالیف یا اشاعت کی بدولت آج آپ اپنے نزدیک اردو کے محسن بن بیٹھے ہیں اور یہی آپ کے ذہنی تمسکات ہیں۔ چنانچہ معروضۂ نہم میں آپ کے بعض تمسکات اور بھی معلوم ہوئے۔ کہیں اکٹھا ہو جائیں تو اعتراض کروں۔ یہ طعن تو اگلے زمانوں کی ایک یادگار آپ ہی رہ گئے ہیں عجیب و غریب طعن ہے۔ اے حضرت کیا آپ اگلے وقتوں کی یادگار نہیں ہیں؟ واللہ آئینہ سامنے رکھ کے دیکھیے تو شاید تعبیر و تفسیر کی ضرورت خود تصویر کھنچ جائے۔ آپ کو اپنی قدر نہیں ہے۔

معروضۂ دہم شعر کے رنگ گیا کے سلسلے میں جناب کو اصرار ہے کہ یہ غلطی کاتب ہے اسلیے کہ ایسی غلطی کوئی اہل زبان نہیں کر سکتا۔ ادبی شکست اور گاہ بہت مشہور ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ جی ہاں مجھے اصرار ہے۔ خود مستفسر نے استفسار میں حاشیہ پر یہی لکھا تھا کہ غلطی کاتب ہے۔ خواہ وہ مبصر میں اعلان کرے یا نہ کرے۔ یہ اسکی دیانتداری ہے کہ اس نے نقل کے وقت منقول عنہ کی پوری پیروی کی۔ غلطی کتابت کا جوہر ہے خصوصاً مبصر کا کاتب جیسے میں خود جانتا ہوں کاتب ہی نہیں مصنف بھی ہے۔ اگر مرزا محمد عسکری صاحب اپنے کسی مضمون کے بارے میں ایک یا چند الفاظ کاتب کی غلطی کی طرف منسوب کریں تو میں اُسے بھی بخوشی منظور کروں گا۔ میں جناب کا سا پاک نفس اور خوش ایمان ہرگز نہیں ہوں۔ آپ یہی کہے جائیں کہ طرفداری کرتا ہوں دفع اعتراضات کے بعد یہ طرفداری حق پر محمول ہے۔ آپ نے شاید "مبصر" کی تنقید جو اودھ پنچ میں شائع ہو چکی ہے ملاحظہ نہیں کی۔ حالانکہ اودھ پنچ برابر حاضر خدمت ہوتا ہے۔ اودھ پنچ جلد ۱۷ نمبر ۵ ملاحظہ فرمائیے۔ معلوم ہو جائے گا کہ طرفداری کی ہے یا حق بات کہی ہے۔

"مبصر" ایک نووارد ہے اسلیے دونوں اڈیٹروں سے مجھے نیاز حاصل ہے۔ مشکلوں تب ملاقات ہوتی رہتی ہے بارہا میں نے بخیال خود مفید مشورے دیے ہیں۔ آپ کو اسکی کیا خبر کہ کوئی کام یکدم مکمل نہیں ہو جاتا۔ ناطق صاحب آزمودہ تجربہ کار ہیں وہ تکمیل کے درپے ہیں۔ اسوقت لکھنؤ سے یہی ایک ماہواری ادبی پرچہ ایسا نکل رہا ہے جو اہل لکھنؤ کے زیر انتظام ہے ضرورت اسکی تھی کہ سکے ہر نمبر پر اودھ پنچ میں تنقید کی جائے خصوصاً جبکہ میرا زبانی مشورہ قبول کرنے میں ناطق صاحب آشفتہ صاحب دونوں پس و پیش نہیں کرتے ہیں۔ جناب مرزا محمد عسکری صاحب کی روش اختیار نہیں کی وہ بھی یہی کر سکتے تھے جو میں کرتا ہوں کم از کم آشفتہ کی طرف سے میں ذمہ لیتا ہوں انھوں نے میری تحریر زبانی پر دھیں کا سلسلہ برابر جاری ہے کبھی قلم نہیں اٹھایا اور اپنے شہر کے ایک چند اہل علم بزرگوں رسوم و حکام کے ساتھ جاگتے میں نہیں خواب میں ذکر کیا۔ پھر حد بھی فرمایا کہ ایک پڑوسی کے ذریعہ سے پنچ کا بھی کیوں؟ بیرونی معاندہ کے الزام سے بچنے کی صورت یہی تھی کہ بجائے اپنا خواب مبصر میں بھیجنے مع تعبیر ابھی نظمی تو دوسرے رسالے یا کاغذ بیاض سے دے دیتے۔

مجھے معلوم ہے کہ میرے صاف صاف جملے دلوں کو گراں گزریں گے مگر صاف گوئی ایک اچھا شیوہ ہے لوگوں کی خاطر سے یہ شیوہ ترک نہ کروں گا۔

معروضے ختم ہوئے جن جملوں کے جواب مفصل نہیں معلوم ہوتے عبارت سے نکل سکتے ہیں۔ فقط

المختصرات

ابکی پورا پرچہ اصلاح زبان کے نذر ہو گیا۔ یاد رہ کیجیے کہ جناب نواب ظفر الملک بہادر ارشاد یار جنگ خلد اللہ نظارہ کے جواب میں صرف ہو گیا۔ اصلاح زبان اور اودھ پنچ کا اولین فرض ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض ابھی چند ہفتے اور پورا ہوتا رہے گا۔

اس نمبر میں کارٹون چھپ جانے کے بجائے کہ گیا۔ اب کارٹون نہیں ادھر بھائی کی تصویر ہے۔ اعصاب ساروا اہل کی تائید میں دکھلائی مرحوم مفتی شیرانی صاحب نے فرمایا کہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے چونکہ صدیقی صاحب بڑے وسیع بیت کی ہے مذہب اسلام سے تعلق نہیں اسکا تعلق معاشرتی امور سے ہے۔ یہ بالکل شریعت محمدیہ واقعی بڑے جبری ہیں اہل اسلام نے انہیں انتخاب کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔

شریعت نابالغوں کا نکاح جائز کرتی ہے اور پسر نروالے ہیں واقعی اسے شریعت سے کیا تعلق۔ خود حضرت صلعم کی شادی ایک نابالغ صاحبزادی سے ہوئی اگر آج وہ موجود ہوتے جو جناب فرقانی اور حضرت علامہ صدیقی صاحب معاشرتی قانون کی بموجب اُنھیں سزا ملتے پر فاتحانہ منسوخ ہوتے رسول اللہ کو عالم بالا میں ان حضرات کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ مستعد مکارم اخلاق بمصلح معاشرت کے قانونوں میں جو خامیاں رہ گئی تھیں اب وہ نکلی جاتی ہیں۔

علاج اب صرف یہی ہے کہ جن ہندوستانیوں کی یہ رائے مفید ہے انھیں کیے چھوڑ دیا جائے مسلمان اسکی پابندی نہ کریں۔